سوال

(108)زکوۃ کا روپیہ اسلامیہ سکول کو دے سکتے ہیں-

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

زکوۃ کا روپیہ اسلامیہ سکول کو دے سکتے ہیں ؟ اور اسلامی اسکول کی مالی حالت اچھی نہیں ہے ۔

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

زکوۃ کے مصارف قرآن مجید میں آٹھ مذکور ہیں۔ جن میں ایک فی سبیل اللہ بھی ہے ۔جمہور علماء اس لفظ کا معنی جہاد کرتے ہیں ۔ بعض علماء کے نزدیک ہر ایک کام فی سبیل اللہ کے مد میں داخل ہے آج کل ہندوستان میں جہاد جاری نہیں ہے ۔جمہور کے قول کے مطابق مصارف زکوۃ اس ملک میں سات رہ جاتے ہیں، وہ یہ ہیں۔ مذہب کے مطابق آٹھ بحال ہیں۔ پس دوسرے قول کے مطابق مذکورہ مصارف کے علاوہ زکوۃ ہر نیک کام میں لگ سکتی ہے ۔ اللہ اعلم ۔ (اہل حدیث ۱۹ عجب ۱۳٦٦)

تنقید:... ازحضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مصنف تحفة الاحوذی رحمة اللہ علیہ۔

مال زکوۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا یا سامان مدرسہ فراہم کرنا جائز نہیں ہے ۔ ہاں مال زکوۃ سے غریب طلباء کو دینا جائز ہے ۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مال زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں۔ ان آٹھ مصارف میں غریب طلبہ داخل ہیں اور مدرس کی تنخواہ اور سامان مدرسہ ان آٹھ مصارف (۱) سے خارج ہیں ۔ اور جس ملک میں بوجہ عدم تعلیم وتلقین کے احکام وارکان اسلام کے جاری نہ ہوں، وہاں مدرسہ اسلامیہ ہونا بہت ضروری ہے وہاں کے مسلمانوں کو چاہیے کہ علاوہ مال زکوۃ کے تھوڑی تھوڑی اعانت کر کے حسب حیثیت ایک مدرسہ قائم کریں۔ بڑا نہیں تو چھوٹا ہی سہی اور یہ عذر کہ وہاں کے مسلمان صرف زکوۃ سے مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں کیونکہ وہاں کے مسلمان جیسے اپنے دنیاوی ضرورتوں میں خواہ مخواہ علاوہ زکوۃ کے اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں۔ اور ان کو کچھ معذوری نہیں ہے ، اسی طرح وہاں ایک مدرسہ اسلامیہ کا قائم ہونا ایک دینی ضرورت ہے ۔ اور شدید ضرورت ہے تو اس میں بھی علاوہ زکوۃ کے تھوڑا تھوڑا بقدر حیثیت ان کو خرچ کرنا چاہیے ۔ اور اس میں بھی ان کو معذور نہیں بنانا چاہیے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارک پوری عفاء اللہ عنہ

(۱)جب آٹھ مصارف میں غریب طلباء داخل ہیں تو ان کی ضروریات بھی داخل ہیں عدم دخول پر کوئی دلیل نہیں ۔ سعیدی

ازعلامہ شکیب ارسلان رحمة اللہ علیہ :

اس میں شک نہیں کہ مال زکوۃ کا تبلیغ اسلام کے سلسلے میں خرچ کرنا اہل کفر پر یا ایسے مسلمانوں پر جو دین اسلام سے بجز اس کے نام کے کسی قسم کے واقفیت نہ رکھتے ہوں خرچ کرنا

نہایت عمدہ اور پاکیزہ ہے۔ اور شرعاً یہ مصرف اس قدر واضح ہے کہ زبان وقلم کو اس کیا اظہار و بیان میں کسی قسم کا تامل اور تردد نہیں ہو سکتا۔ الی آخرہ

بحوالہ اخبار توحید امرتسر ۲ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۵۰)

کیا مساجد دینی مدارس تبلیغ اسلام پر زکوۃ صرف کی جا سکتی ہے:

از مولانا فضل اللہ صاحب مدارسی ناظم جامعہ دارالسلام عمر آباد۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ دینی ضروریات دن بدن بڑھتی جاتی ہیں اور ان میں سے اکثر کے لیے آمدنیوں کی قلت ہوتی ہے۔ اور شرعاً آج کل زکوۃ کے سوا کوئی ایسی مد نظر نہیں آتی جس کے ترک پر وعید شدید شرعی سنائی جائے اور اس زکوۃ میں حضرات فقہاء کرام نے تملیک (ا) کی شرط لگائی ہے جس کی وجہ سے مساجد مدارس دینی۔ تبلیغ اشاعت اسلام اور تصنیف تالیف کتب دینیہ کے بہت سے کام رک جاتے ہیں۔ یا جیسے چلنے کی ضرورت ہے۔ ویسے چلنے نہیں پاتے کیونکہ ان پر مال زکوۃ، فطر اور چرم قربانی خرچ نہیں کیے جا سکتے، اس لیے کہ امور مذکورہ میں تملیک نہیں ہو سکتی اور ان امور مذکورہ میں تملیک جاری کرنا ہو تو حیکہ کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ جس کا ثبوت آیات واحادیث اور اقوال سلف سے نہیں ملتا ہے۔ پس امور مذکورہ کا اجراء یا صدقات غیر واجب سے کیا جائے جن کے نہ دینے سے مسلمان وعید کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ یا آیات واحادیث کے عموم سے فائدہ اٹھائے ان امور مذکورہ کو مصارف زکوۃ میں داخل کیا جائے۔

(ا) لام تملیک کی شرط پر کوئی دلیل نہیں بلکہ لام بیان کے لیے ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تحریر فرمایا ہے۔ سعیدی

مسئلہ بالا کے متعلق ایک عرصہ دراز سے بلکہ زمانہ طالب علمی سے خلجان رہا اور حضرات شیوخ کرام کے افادات سے کچھ کچھ منزل مقصود کا نشان نظر آ رہا ہے۔ بالآخر دو چار سال کے عرصہ دراز سے بعض معزز و محترم خیر خواہ حضرات اس مسئلہ کو چھیڑتے رہے جس پر فاضل محقق عالی جناب مولانا محمد عبد الوہاب صدر مدرس جامع دارالسلام عمر آباد نے آیت فی سبیل اللہ تعمیم اور چند احادیث سے استدلال فرما کر امور مذکورہ کو مصارف زکوۃ میں شامل فرمایا، مولینا ممدوح کی تحریر سے خاکسار کے خیالات میں امید و جرأت پیدا ہوئی جس کے بعد خاکسار بغرض استفادہ اپنے ناچیز منتشر خیالات کو حضرت رہنمایان دین کی خدمات میں پیش کرتا ہے جن کے متعلق امید کہ آں حضرات اپنے اپنے تنقیدانہ افادات سے ممنون فرمائیں گے۔ انما الشفاء العی السوال

جمیع حضرات علمائے کرام پر یہ بخوبی روشن ہے کہ امت محمدیہ کے پاس مصارف زکوۃ دلیل آیت عظیمہ ذیل ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبہ: ۶۰)

''صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں، اور محتاجوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات پر کام کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے لیے جن کی تالیف قلوب کی جائے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کی مد میں خرچ کیے جائیں۔ خداوند پاک کی جانب سے یہ حکم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ کا معنی (ا) للفقراء کا لام جمیع سلف صالحین کے نزدیک تملیک کے لیے ہے۔ یا نہیں؟ تفاسیر شرح حدیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف بھی ائمہ کرام کی ایک جماعت گئی ہے کہ لام اس آیت میں تملیک کے لیے نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے شرح بخاری میں یہ رقم فرمایا ہے:

((ان اللام فی قولہ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک)) (لام)

فقراء کے شروع میں مصرف بیان کے لیے ہے۔ تملیک کے لیے نہیں اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتفاق کی کتاب الادوات میں لام کے متعدد معنی جو پندرہ سے زیادہ ہوں گے۔ بیان کیے ہیں۔ ان میں سے صرف ''لام'' تعلیل کے متعلق حقیقی یا مجازی معنی ہونے کا اختلاف اہل لسان سے ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ باقی معنی حقیقی ہیں۔ اصول فقہ کی کتاب حصول المامول من علم الاصول مطبوعہ مصرف میں ''لام'' کے بائیس معنی ذکر کیے ہیں جن میں سے ہر ایک کی مثال قرآن پاک سے دی گئی ہے۔ اور کتب نحو میں عموماً اور شرح جامی میں خصوصاً یوں مرقوم ہے:

((اللام للاختصاص بملکیۃ وبغیر ملکیۃ)) (لام)

اختصاص کے لیے آتا ہے، خواہ ملکیت کے طور پر ہو یا بلا ملکیت کے۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں چار مصرفوں میں دو ''لام'' کے آنے کے اور بعد کے چار مصرفوں میں ''فی'' کے آنے کا فرق یوں بیان فرمایا ہے۔ کہ پہلے چار مصرف والوں کو اپنے حاصل کردہ مال زکوۃ میں مالکانہ مصرف کا اختیار ہے اور پچھلے مصرف والوں کو حسب منشاء تصرف کا اختیار نہیں۔ پس (لام) سے تملیک کی شرف اجتہادی محتمل چیز ہوئی نہ کہ قطعی اور منصوص۔

(۲) وفی سبیل اللہ کا معنی: فی سبیل اللہ کے معنی میں تعیین اور اس تعیین پر اجماع ہوا ہے۔ یا نہیں؟ اگر تعیین اور اس پر اجماع ہو چکا ہے تو کتب فقہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شافعیہ

کے نزدیک اغنیاء مجاہدین کو مال زکوۃ سے دے سکتے ہیں۔ اور یہ امر حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور امام ابو یوسف نادار مجاہدین کو بھی مال زکوۃ دینے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور امام محمد نادار حاجیوں کو بھی مال زکوۃ سے دے کر حج کرانے کی اجازت اس لفظ ''فی سبیل اللہ'' سے نکالتے ہیں۔اتنے مختلف اقوال کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ ان اقوال ومذاہب کے سوا اپنا قول گویا اجماع مرکب کے خلاف ہے اس لیے وہ قول ناجائز قرار دیا جائے تو یہ عرض ہے کہ جن لوگوں نے اس مقام پر اجماع کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ اصولی اصطلاحی اجماع معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اجماع اور جمہور کی اضافت خود اصولی اصطلاحی اجماع ہونے سے انکار کر سکتے ہیں ہے۔ علاوہ بریں امام قفال نے بعض ائمہ سے عام مصارف خیر جیسے کہ امور مذکورہ اوقاف وغیرہ کوئی سبیل اللہ کے معنی میں نقل فرمایا ہے جس کو امام رازی، علامہ بیضاوی اور صاحب خازن نے اپنی اپنی تفسیروں میں بیان فرمایا ہے۔ اور سب کے الفاظ قریب قریب حسب ذیل ہیں۔

((وقال بعضھم ان اللفظ عام فلایجوز قصرہ علی الغزاۃ فقط ولھذا اجازہ بعض الفقہاء صرف سھم سبیل اللہ الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتٰی او بناء الجسور والحصوف وعمارۃ المساجد وغیر ذلک وقال لان قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ عام فی الکل فلایختص بصنف دون غیرہ))

''اور کہا بعض علمائل نے کہ لفظ عام ہے۔ اس کو صرف مجاہدین کے لیے مخصوص کرنا جائز نہیں۔ اسی لیے بعض فقہاء کرام نے سبیل اللہ حصہ سب نیک کاموں مثلاً تکفین موتٰی پلوں اور قلعوں اور مساجد وغیرہ کے بنانے میں خرچ کرنے کو جائز رکھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فی سبیل اللہ، سب نیک کاموں کو شامل ہے۔ صرف ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں۔''

اور شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایۃ میں حضرت مولانا عبد الحئی لکھنوی نے مصارف زکوۃ کے مقام میں فقہ کی کتاب ''بدیع'' سے نقل فرمایا ہے کہ:

((وذکر فی البدائع انہ یشتمل جمیع القرب))

''فی سبیل کا لفظ نیک مصرفوں میں شامل ہے۔''

امام بخاری: ...اپنی جامع صحیح البخاری کے ((باب العرض فی الزکوۃ)) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن جمیل، خالد بن ولید اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے منع زکوۃ کی توجیہ والی حدیث نقل فرماتے ہیں۔ اور اسی روایت کو باب والغارمین وفی سبیل اللہ میں مقرر لائے ہیں۔ امام بخاری کا مدعا ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں یوں ذکر فرمایا ہے۔

امام بخاری کا استدلال:

((واستدل البخاری بقصۃ خالد علی مشروعیۃ تحبیس الحیوان والسلاح وان الوقف بقاءہٗ تحت ید محتبسہ وعلی جواز اخراج العروض فی الزکوٰۃ))

''امام بخاری نے خالد رضی اللہ عنہ کے قصہ سے جانوروں اور ہتھیاروں کے وقف کرنے اور وقف کی ہوئی چیزوں کا واقف کی نگرانی میں رہنے، اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع سے دینے پر استدلال کیا ہے۔ بہر طور مال زکوٰۃ وقت میں دیا گیا۔''

پس شرح بخاری سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خالد رضی اللہ عنہ کے واقعہ وقف زکوٰۃ میں شمار فرمایا اور آیت فی سبیل اللہ میں تملیک کو غیر ضروری سمجھا۔ جو حضرات احناف کرام کے خلاف ہے اور وقف منقول کو بھی جائز سمجھا اور یہ امر فقہائے کوفہ کے خلاف ہے اور زکوٰۃ کے نقد کے عوض متاع دینا ثابت ہے جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے۔

الحاصل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کے جواب میں کون سی آیت یا حدیث صریح حضرات مانعین پیش فرما سکتے ہیں؟ رہے مانعین کے احتمالات وہ مجوزین کے پاس ناشئی عن الدلیل نہ ہوں، اور مجوزین کی تجویزان کے احتمالات کی بہ نسبت واضح ترین اور اقرب الی الدلیل ہو تو امام بخاری کے استدلات کا قطعی اور تسلی بخش جواب کیا ہوگا؟

مذکورہ بالا معروضہ پیش کرنے کے بعد مجوزین کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آیت مصارف میں سے سات حصے خاص خاص جماعتوں یا افراد پر خرچ کیے جائیں، اور ایک حصہ عام مصارف خیر کے لیے رکھ دیا جائے،تاکہ آٹھویں مصرف میں سہولت کے ساتھ امور مذکورہ ادا کیے جائیں ورنہ تبرعات تطوعات اختیار امور میں جن پر جبر واکراہ نہیں کیا جا سکتا، اور نہ کرنے والوں پر وعید بھی نہیں ہوتی، اور بناء مساجد ومدارس دینی اور مصارف تبلیغ وغیرہ خدا نخواستہ بالکل متروک کیے جائیں گے،چونکہ زمانہ موجودہ میں یہ مسئلہ مہمات مسائل میں سے ہے، لہٰذا بغرض استفادہ یہ امر بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بوقت شدت حاجت فقہائے کرام نے بھی اپنے امام کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ اجرت تعلیم قرآن کی نسبت صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اجرت علی تعلیم القرآن جائز نہیں، مگر متاخرین نے بوجہ ضرورت اجازت دی ہے،تاکہ تعلیم القرآن معدوم

نہ ہواوراسی طرح مفقودہ الزوج کے نکاح کا مسئلہ معروف بین العلماء ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے :

انہیں امور کو مد نظر رکھ کر حضرت شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اختیار فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے :

((وعن ابی الآس حملنا النبی ﷺ علی ابل الصدقۃ للحج وفی الصحیح واما خالد تظلمون خالداً وقد اجتس ادراعہ واعتدہٗ فی سبیل اللہ وفہ شیئاًن جوازان یعطی مکان شیء شیئاً اذا کان انفع للفقراء وان الجس تجزیٔ عن الصدقۃ قلت وعلی ھدانا لحصرفی قولہ تعالیٰ انما الصدقات اجافی بالنسبۃ الی ما طلبہ المنافقون فی صرفھا فیما یشتھون علی مایقتضیہ سیاق الایۃ والسرفی ذالک ان الحاجات غیر محصورۃ ولیس فی بیت المال فی بلاد الخالصۃ للمسلمین غیر الزکوٰۃ کثیر مال فلابد من توسعۃ لتکفیٰ نوائب المدینۃ واللہ اعلم))

''ابو الآس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو صدقہ (زکوٰۃ) اونٹوں پر حج کےلیے سوار کرایا اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم خالد پر ظلم کرتے ہو، جو اس سے زکوٰۃ طلب کرتے ہو، حالانکہ اس نے بکتر اور ہتھیار اللہ کی راہ میں وقف کیے ہیں، اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں، ایک تو ایک چیز کے عوض دوسری چیز زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، جبکہ دوسری چیز فقراء کےلیے زیادہ نافع ہو، اور یہ وقف صدقہ زکوٰۃ کے بدلے کافی ہے، میں کہتا ہوں، (یعنی شاہ صاحب فرماتے ہیں) کہ اس صورت میں حصر خداوندی انما الصدقات کے جملہ میں اضافی ہے، منافقوں کے مطلب کے مقابلہ میں گروہ چاہتے تھے کہ ان کی خواہشوں کے مطابق زکوٰۃ کی رقم بے جا صرف کی جائے، جیسا کہ آیت (روانی) کا مقتضا ہے، اور زکوٰۃ کے مصرف میں واقف کو داخل کرنے میں راز یہ ہے کہ ضروریات بے شمار ہیں، اور مسلمانوں کے خالص شہروں میں زکوٰۃ کے سوا کوئی معتد بہ نہیں ہوتی۔ لہٰذا ضرور ہوا کہ مصرف زکوٰۃ میں وسعت ہو جو کافی حاجات ہو، جیسا کہ آیت کے نزول کے موقعہ پر مدینہ مسلمانوں کا خالص شہر تھا۔'' واللہ اعلم۔ (توحید امرتسر) ۲جمادی الاول ۴۷ھج

نوٹ :... مضمون ہذا کے جواب میں حضرت مولانا محمد اسماعیل مدارسی نے ایک طویل طویل مضمون لکھا جو اخبار توحید کی کئی اشاعتوں میں شائع ہوا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت شریف للفقراء میں لام محض تملیک کےلیے ہے، اور مدارس و مساجد پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں، افسوس کہ مضمون معلومات کے لحاظ سے قیمتی ہے، مگر عدم گنجائش کی وجہ سے رہ گیا، اس بحث پر بطور محاکمہ حضرت مقبول رب العالمین مصنف رحمۃ اللعالمین قاضی سلیمان صاحب جج پٹیالہ رحمۃ اللہ علیہ کا قیمتی مضمون درج ذیل ہے۔

مزید تشریح :... از قلم جناب حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب سلیمان منصورپوری (پٹیالہ)

لام کے فوائد اور تملیک کی عدم ضرورت

(۱) آیت للفقراء : کا لام تخصیص کےلیے ہے، صاحب کشاف کے الفاظ اس پر دال ہیں : ((وانھا مختصۃ بھا لاتجاوزھا الیٰ غیرھا)) احمد آفندی مدیر الجوائب نے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالب وبنیۃ الراغب میں لام تخصیص کا ذکر کیا ہے، اور مثال میں ((الجنۃ للمؤمنین وھذا الحصیر للمسجد والمنبر للخطیب)) کا ذکر کیا ہے، وہ لام استحقاق کا بھی ذکر کرتے ہیں، مثال میں الحمد للہ اور العزۃ للہ پش کرتے ہیں۔ لام تملیک کا بھی انہوں نے ذکر کیا ہے، اور ((لہ ما فی السمٰوات والارض)) کو مثال میں پش کرتے ہیں۔ بعد ازاں فاضل مذکور یہ بھی لکھتا ہے :

((بعضھم یستغنی بذکر الاختصاص من ذکر المعنین الاخرین ویمثیل لہ بالامثلۃ المذکورہ))

لہٰذا جن علماء نے لام کو تملیک کےلیے متعین نہیں کیا، ان کا مسلک صحیح ہے، حصول المامول نے بھی غالباً اسی لیے تخصیص کو ملک و عدم ملک ہر دو پر حاوی کیا۔ اور حافظ ابن حجر نے بھی لام کو بیان مصرف قرار دینے میں پورے تفقہ سے کام لیا ہے، یہ کہاں کہ جمیع سلف نے اس لام کو تملیک ہی کےلیے قرار دیا ہے، داخل غلو ہے، ہاں صاحب کشاف نے آیت صدقہ کے لام اور فی کا فرق جتلاتے ہوئے لکھا ہے :

((فان قلت لم عدل عن اللام الی فے فی الربعۃ الاخیرۃ لکنا الایمتان بانھم ارسخ فی استحقاق التصدق علیھم لمن سبق ذکرہ لان فے للوعاء فنبہ علی انھم احقاء بان توضع فیھم الصدقات الخ))

فی سبیل اللہ کے متعلق اجماع کی حقیقت :

(۲) فی سبیل اللہ کے معنی ہیں تعین کی بابت گزارش ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں :

((ویعطی من سھم سبیل اللہ جل وعز من غرا من جیران الصدقۃ فقیرا کان او اغنیاء ولا یعطی منہ غیرھم الا ان یحتاج الی الدنع عنھم فیعطاہ من دفع عنھم المشرکین)) (کتاب الام الجزء الثانی ص ۶۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے مطابق غازی غنی وفقر کوفی سبیل اللہ میں سے دیا جا سکتا ہے، نیز جیلہ اور مدافعت ہر دو صورتوں میں دیا جا سکتا ہے۔

(ب) رسائل الارکان میں بحر العلوم لکھنوی (ابو العیاش عبد العلی محمد) تحریر فرماتے ہیں :

((الصنف والسادس سبیل اللہ وان کان عاماً فی کل خیر لکن العموم لیس مرادفی الایۃ بالاجماع بل المراد السبیل المخصوص فعند الامام ابو حنیفہ المراد الغزاۃ فمنقطع الغزاۃ یعطی من قال الزکوۃ یغزد مع الغازین وعند الامام محمد الحاج یعطی من مال الزکوۃ لحج ثم الفقراء وشرط عندنا فی منقطع الحاج فیعطی منقطع الغزاۃ عند الامام ابی حنیفۃ للفقراء ویعطی منقطع الحاج عند الامام محمد للفقر فلا خلاف فی الحکم کذا فی فتح القدیر وعند البعض یعطی الغزاۃ اغنیاء کانوا وفقراء))

اس فاضل نے لفظ فی سبیل اللہ کو جملہ امور خیر کے لیے عام مان کر پھر اسے مرادی معنی میں خاص ٹھہرایا ہے، اور وجہ تخصیصاً اور اجماعاً بتلائی ہے۔ اور اجماع ادعائی کی صورت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے صرف غزوہ کے لیے اور امام محمد نے صرف حجاج کے لیے بتایا ہے (اجماع کہاں رہا) پھر فقراء کو شرط بتلایا، پھر بعض کے نزدیک اس شرط کا نہ ہونا ظاہر کیا، جب ہم یہ خیال کریں، کہ عند البعض کا عطف شرط عند ہی ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عدم شرط کا مذہب بھی خود علماء حنفیہ ہی کے اندر ہے، شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشد وہ اجتہاد مزید براں ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں بجانب شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (اجماع کہاں رہا) اب یہ بھی غور طلب ہے کہ بحر العلوم نے صرف لفظ ''اجماع''کو تحریر کیا ہے، مگر خازن نے اجماع الجمہور لکھا ہے اور یہ ظاہر ہے، کہ اجماع جمہور بمعنی اجماع امت نہیں۔

زکوۃ ہر کار خیر میں خرچ کی جا سکتی ہے :

(ج) صاحب خازن نے (باتفاق بیضاوی وغیرہ) میں لکھا ہے :

((اجازو بعض الفقہاء صرف سھم سبیل اللہ الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذالک))

اور کنز الدقائق میں ہے :

((لاالی ذمی وبناء والمسجد وتکفین میت وقضاوین وشراء قن یعتق الخ))

ہر دو میں تضاد موجود ہے، اور نتیجہ صاف ہے کہ اجماع موجود نہیں۔

لفظ سبیل اللہ کی خصوصیت اور وسعت :

میرا خیال ہے کہ لفظ سبیل اللہ کا مفہوم متعین کرنے کے لیے موارد قرآنیہ پر بھی تدبر کیا جائے :

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (البقرۃ)

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (البقرۃ)

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (البقرۃ)

وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (النساء)

والمجاھدون فی سبیل اللّٰہ (النساء)

وَاٰخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (المزمل)

ودیگر آیات ہم معنی میں سبیل اللہ سے مراد غزا لینا بالکل صحیح ہے، قتل وقتال، وہن، وحصور وجہاد کے الفاظ بطور قرینہ صحیحہ ان میں موجود ہیں، اب آیات ذیل پر بھی تدبر ضروری ہے۔

وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (انفال۔ توبہ۔ ابراہیم)

لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (حج ولقمان)

اَلَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ (قتال ونحل)

حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (النساء)

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (ج)

وَالْمُهَاجِرُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (النور)

ہر سہ آیات اول میں سبیل اللہ سے مراد دین حقہ اور اسلام اور سہ آیات مابعد میں سبیل اللہ سے مراد ہجرت لینا اور غزا مراد لینا زیادہ مناسب ہوگا۔ (ھ) اگر سبیل اللہ اور سبیل الرب ہم معنی ہیں تو آیت مَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (المزمل وانسان) کو بھی زیر نظر رکھنا چاہیے، لفظ سبیل اللہ ضمائر کے ساتھ بھی مستعمل ہوا ہے، اور جہاں جہاں ضمیر کا مرجع اللہ ہے، ان سب کو بھی شامل تدبر کر لینا چاہیے، لفظ سبیل کی وسعت معنی کا خیال آیات ذیل کے شموں سے بھی ہوجاتا ہے۔

إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (اسرائیل)

فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا (النساء)

إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا (اسرائیل)

اس طریق سے صرف یہ اطمینان مقصود ہے کہ آیت مصرف صدقہ میں بھی لفظ سبیل اللہ کو وسیع معنی میں لیا گیا، جبکہ مفسرین نے تحریر فرمایا ہے کہ آیت مصرف صدقہ میں بھی لفظ سبیل اللہ کو وسیع معنی میں لیا گیا، جبکہ مفسرین نے تحریر فرمایا ہے، اور جبکہ فقہاء نے بھی لفظ کا معنی عموم بہ میں ہونا تسلیم فرمایا۔

حج بھی سبیل اللہ میں داخل ہے:

(د) سنن ابوداؤد کی حدیث عن معقل میں نبی ﷺ کے الفاظ مبارک یہ ہیں: ((فان الحج من سبیل اللّٰہ)) یہاں تخصیص غزا بوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ تخصیص حج بقول محمد اٹھ جاتی ہے، اور حرف من اس لفظ کے وسیع المعنی ہونے پر دال ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا خیال:

حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

((فالحصر فی قولہ انما الصدقات اضافی بالنسبۃ ما طلبہ المنافقون فی صرفھا فی ما یشتھون علی ما یقتضیہ سیاق الآیۃ والسر فی ذالک ان الحاجات غیر محصورۃ ولیس فی بیت المال فی البلاد والخالصۃ للمسلمین غیر الزکوۃ کثیر مال۔ فلابد من توسعتہ لتکفی نوائب المدینۃ واللہ اعلم ص ۲۴۹ حجۃ اللہ البالغۃ))

امر مطلوب نوائب (ضروریات تمدن کی کفایت ہی) اور وہ غیر محصور ہیں، اور یہی امر وسعت کا معنی کا مقتضی ہے، یعنی نوائب المدینۃ کا ترجمۃ حاجات تمدن سمجھا ہے، بایں اعتبار کہ تقسیم حصص وغیرہ کی ضمن میں بھی متعدد روایات میں نوائب الناس یا نوائب المسلمین کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔

امام ابن قیم اور مصالح اسلام :

(ح) امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

((وکان رسول اللہ ﷺ یصرف سہم اللہ وسہمہ فی مصالح الاسلام)) (زاد المعاد جلد ا ص ۱۶۴)

ظاہر ہے کہ عبارت بالا میں سہم اللہ وسہمہ سے مراد وہ سہام مراد ہیں جن کا ذکر آیت غنیمت (سورۃ توبہ) وآیت فیء (سورۃ حشر) میں ہوا ہے۔ لہٰذا آیت صدقہ کے لفظ فی سبیل اللہ کو بھی اگر تحت مراد سہم اللہ قرار دیا جائے تو اس کا تعلق بھی مصالح اسلام سے واضح ہو جاتا ہے۔ (ط) اس فہم واستدلال کے ساتھ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ قابل ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں :

فَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ.............. قد ذھبوا

وَالْعَامِلُونَ عَلَيْهِمْ .... یعطھم الامام ما یکفیھم وقسمت بقیۃ الصدقات بینھم }

فَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ.............. سھم وَلِلْغَارِمِينَ.............. سھم

وَفِي اَبْنَاءِ السَّبِيلِ المنقطع لھم .... سھم وَفِي الرِّقَابِ.............. سھم

وَفِي اِصْلَاحِ المُسْلِمِينَ.............. سھم

(کتاب الخراج مفصل فی الصدقات ص ۱۴۲ الطبعۃ الاولی بالمطبع المیریہ ببولاق مصر ۱۳۲۲ھ)

یہ ظاہر ہے کہ امام قاضی القضاۃ نے فی اصلاح طرق المسلمین کے الفاظ لفظ فی سبیل اللہ کی ہی تفسیر میں تحریر فرمائے ہیں۔

امام ابن قیم کے دو اصول :

(ی) ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں اگرچہ فی سبیل اللہ کے معنی الغزوۃ فی سبیل اللہ لکھے ہیں، مگر انہوں نے اصناف ثمانیہ کے دو اصول پر منقسم کیا ہے، (۱) شدت احتیاج فقراء ومساکین ورقاب وابن السبیل اس میں داخل ہیں (۲) منفعت عاملون مؤلفۃ القلوب غارمون غزاۃ اس میں داخل ہیں، ان کا آخری فقرہ قابل توجہ ہے :

((فان لم یکن للآخذ محتاجاً ولا فیہ منفعۃ للمسلمین فلا سہم لہ فما الزکوٰۃ)) (ک)

امام بخاری کی حدیث باب عرض الزکوٰۃ میں نبی ﷺ کا ارشاد ہوا :

((واما خالد فقد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ))

ان کی معنی پر ضرور مستعمل ہے، جو علامہ ابن حجر وعینی ابن رشید رحمہم اللہ نے بیان فرمائے ہیں، میرے نزدیک الفاظ مبارکہ وسعت معنی فی سبیل اللہ بھی بیان کرتے ہیں، اور نفی تملیک بھی اگرچہ فی سبیل اللہ کے الفاظ فی کے تحت میں ہیں اور لام کی تحت ہیں۔

استدلال بخاری کے خلاف کا پتہ نہیں :

(ل) آج تک کوئی روایت ایسی نہیں گزری جو استدلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ناقص ہو، جناب کا تحریر فرمانا کہ بوقت ضرورت شدت حاجت حضرات فقہائے کرام نے بھی اپنے مذہب کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کی اجازت دی ہے بالکل درست ہے اور اجرت علی تعلیم القرآن ونکاح مفقودہ الزوج کی نظائر بحوالہ ہدایہ بھی درست ہیں، مزید برآں میں جناب کی توجہ قاضی ثناء اللہ صاحب کی تفسیر مظہری پر دلانا چاہتا ہوں تفسیر سورۃ انفال ص ۳۵ پر قاضی صاحب نے جن کو بیہقی وقت کہا گیا ہے، تحریر کیا ہے :

((فقال ابو حنیفۃ سہم ذوی القربیٰ ایضاً سقط بموت رسول اللہ ﷺ))

چند سطور کے بعد لکھا ہے :

((وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف و محمد رحمۃ اللہ علیہا))

بعدازاں ان وجوہات کا اندراج کیا ہے، جو صاحب ہدایہ اور طحاوی نے مذہب بالا کی تائید میں لکھتے ہیں، بایں ہمہ اپنی تحقیقات اور دلائل لکھ کر تحریر فرمایا ہے:

((وبھذا ثبت ان سھم ذوی القربیٰ لم یسقط))

غور کیجئے کہ اس علامہ نے قوت دلائل کی وجہ سے امام صاحبین کے مذہب پر جمود نہیں کیا، اور صاحب ہدایہ اور طحاوی کے دلائل کی تضعیف میں بھی تامل نہیں کیا، حالانکہ ان کی تمام تفسیر فقہ حنفیہ کی تائید پر مشتمل ہیں۔

(ن) لیکن میں عرض کروں گا کہ جب امام القاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فی سبیل کے معنی میں فی اصلاح المسلمین تحریر فرمائیے ہیں، تو اندریں صورت خود بخود مذہب حنفیہ کے اندر سند اور دلیل مل گئی ہے، اور اس تفسیری عبارت (اصلاح طرق المسلمین) نے زمانہ حال کے ضروریات کے اہتمام اور انصرام کے لیے سبیل الرشاد کو کھول دیا ہے۔

(س) علمائے ہند کے لیے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب اس ملک میں بزمانہ حال غزاۃ فی سبیل اللہ کی جماعت موجود ہی نہیں تو کیا ان کا سہم ساقط نہ ہو جائے گا، اور کیا اس سہم کا دیگر امور مرضیات الٰہی میں صرف کرنا صحیح نہ ہو گا، جبکہ امام ہمام اور صاحبین نے آیات غنیمت وفیء میں سقوط سہام رسول وذوی القربیٰ کے بعد ان کا مصرف دیگر اہل سہام کو قرار دیا ہے، اور آیات صدقات میں بھی مؤلفۃ القلوب کے متعلق بھی مسلک اختیار کیا ہے۔

(ع) میں اس طول کلامی کی معافی کا طالب ہوں، اور میں سمجھتا ہوں کہ میں آنجناب سے ہی متفق ہوں۔ والسلام

(توحید امرتسر ۲۰ رجب ۱۳۴۷ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۵۷)

نوٹ:... یہ مضمون حضرت قاضی صاحب مرحوم نے مولانا فضل اللہ صاحب مرحوم کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا، اسی لیے طرز تحریر مخاطبانہ ہے۔ (اخبار مذکور)

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاوی علمائے حدیث

جلد 7 ص 226

محدث فتویٰ